

تحریک کربلا کا اخلاقی پہلو

<?xml encoding="UTF-8">



تحریک کربلا کا اخلاقی پہلو

اتمام حجت :

امامؑ نے کربلا کے میدان میں ہر مرحلہ پر اتمام حجت کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ان کے مقابل میں کون ہے اور جہالت اور نادانی کی وجہ سے کسی پاک خون سے ان کے ہاتھ آلودہ نہ ہو جائیں اور عذاب الہی کے شکار نہ ہو جائیں۔ امامؑ اور آپ کے اصحاب نے واضح دلیلوں کے ذریعے انہیں صحیح راستے کی نشاندہی کی ۔ حضرت امام حسینؑ روز عاشور دشمن کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے ہیں :

"فانسبونی فانظروا من انا، ثم ارجعوا الی انفسکم وعاتبوها ، فانظروا هل یصلح لکم قتلی وانتہاک حرمتی؟ الست ابن بنت نبیکم ، وابن وصیہ وابن عمہ واول المؤمنین المصدّق لرسول اللہ بما جاء به من عند ربہ، او لیس حمزة سیدالشہداء عمی ، او لیس جعفر الطیار فی الجنة بجناحین عمی، او لم یبلغکم ما قال رسول اللہ لی ولاخی:

"هذان سیدا شباب اهل الجنة؟ فان صدقتمونی بما اقول وهو الحق ، واللہ ما تعمدت کذباً منذ علمت ان اللہ یمقت علیہ اہلہ ، وان کذبتمونی فان فیکم (من لو) سألتموہ عن ذالک اخبرکم ، سلوا جابرین عبد اللہ الانصاری وابا سعید الخدری وسهل بن سعد الساعدی وزید ابن ارقم وانس ابن مالک ، یخبرونکم انہم سمعوا هذه المقالة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ لی ولاخی۔ اما فی هذا حاجز لکم عن سفک دمی؟

(الارشاد ج ۲ ص ۹۷، بحار الانوار ج ۴۵ ص ۶)

میرے بارے میں غور کرو کہ میں کون ہوں پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپ کو سرزنش کرو ۔ کیا مجھے قتل کرنا اور میری ہتک عزت کرنا تمہارے لئے مناسب ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند نہیں

ہوں؟ کیا میں نبیؐ کے وصی اور چچا زاد بھائی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا حمزہ سید الشهداء اور جعفر طیار جو اپنے دونوں پروں کے ذریعے جنت میں پرواز کرتے ہیں، میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے میں اور میرے بھائی کے بارے میں رسول خداؐ کا یہ قول نہیں سنا:

حسنؑ وحسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

جو میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے اور آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اگر یہ سمجھتے ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو ایسے افراد ابھی تمہارے درمیان موجود ہیں جو تمہیں اس کی خبر دیں گے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس ابن مالک سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے یہ حدیث میں اور میرے بھائی کے بارے میں سنی ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میرے قتل سے باز آجاؤ۔

غیرت و حمیت :

امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب غیرت کے پیکر تھے۔ امام نے یہ کبھی گوارا نہیں کیا کہ جیتے جی کوئی اہل حرم کے خیموں کی طرف جائے یا اہل حرم خیموں سے باہر آئیں۔ حتیٰ اس وقت بھی جب آپؑ زخمی حالت میں تھے اور حضرت زینبؑ آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچی تو فرمایا بہن زینب واپس خیمہ میں جاؤ میں آپ ابھی زندہ ہوں۔

اول سفر سے ہی حضرت عباس رات کو خیموں کی حفاظت کے لئے خیموں کے گرد چکر لگاتے تھے تاکہ خواتین و بچے بے خوف و ہراس سو جائیں۔ حضرت امام حسینؑ جب گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تھے تو دشمن کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ زندہ ہیں یا نہیں اور کسی میں یہ جرأت بھی نہیں تھی کہ آپ کے سامنے جائے۔ شمر ملعون کہنے لگا کہ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ حسینؑ زندہ ہے یا نہیں تو خیموں پر حملہ کردو۔ امام نے جب یہ سنا تو کہنی کے بل کھڑے ہو کر فرمایا :

"ویلکم یا شیعۃ آل ابی سفیان ! ان لم یکن لکم دین وکنتم لا تخوفون المعاد فکونوا احراراً فی دنیاکم ہذہ"

"اے پیروان ابوسفیان ! اگر تم میں دین نام کی کوئی چیز نہیں ہے تو کم از کم دنیا میں آزاد رہو۔"

(لہوف ص ۱۶۲)

یعنی کم از کم حیا دار بنو، خواتین اور بچوں سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔ کوئی پوچھتا ہے :

ماتقول یابن فاطمہ؟

اے فرزند فاطمہؑ کیا کہہ رہے ہو۔ امامؑ نے فرمایا:

"انا اقاتلکم وانتم تقتلوننی والنساء لیس علیہن حرج"

"میں تم سے جنگ کر رہا ہوں اور تم لوگ مجھ سے۔ عورتوں نے کیا بگاڑا ہے۔"

حجاب و عفت :

کربلا میں خواتین نے ہمیں یہ بتا دیا کہ خواتین کا گھر سے باہر آنا اگر پردہ کے ساتھ ہو تو کوئی بری بات اور عیب نہیں ہے۔ بلکہ اگر اسلام کو ان کی ضرورت ہو تو ان کا گھر سے باہر نکلنا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اپنے پردے اور حجاب کا خیال رکھیں۔ ہمیں اس کی روشن اور واضح مثال کربلا کی شیر دل خواتین نظر آتی ہیں۔ حضرت زینبؑ، ام کلثوم اور دوسری مخدرات کس طرح اپنے آپ کو نامحرموں کی نظروں سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں۔

حضرت ام کلثوم بازار کوفہ میں لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

"یا اهل کوفۃ اما تستحیون من اللہ ورسولہ ان تنظرون الی حرم النبی"

”اے اہل کوفہ کیا تمہیں خدا اور اس کے رسولؐ سے شرم نہیں آتی کہ تم حرم نبیؐ کو دیکھ رہے ہو۔“
(مقتل الحسینؑ ص ۴۰۰)

دربار یزید میں حضرت زینبؑ نے پردہ کے بارے میں یزید کو مخاطب کر کے بہت ہی سخت الفاظ میں فرمایا :
”یا بن الطلقاء تخدیرک وحرائرک وامائک وسوقک بنات رسول اللہؐ سبایا هتکت ستورهن وابدیت وجوهن تحدو
بهن الاعداء من بلد الی بلد ویستشرفهن اهل المناهل والمعائل ویتصفع وجوهن القریب والبعید“
”اے رسولؐ کے آزاد کردہ کی اولاد! کیا یہ عدالت ہے کہ تمہاری بیویاں اور کنیزیں پردہ میں ہوں اور رسول خداؐ کی
بیٹیاں اسیر کرلی جائیں اور ان کے پردے کو چھین لیا جائے۔ ان کے چہروں کو عیاں کیا جائے اور دشمن انہیں اس
طرح ایک شہر سے دوسرے شہر پھرائیں کہ شہر، دیہات اور قلعہ کے لوگ اور بیابانی افراد ان کو دور و نزدیک سے
دیکھیں۔“ (مقتل مطہر، سعادت الدارین)

اہل حرم جہاں تک ممکن ہو سکے نامحرموں کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت ام کلثومؑ فوج
کے اس سردار سے جو اسیروں کو لے جا رہا تھا فرماتی ہیں کہ جب ہمیں دمشق میں داخل کرنا ہو تو ایسے
دروازے سے داخل کرو جہاں تماشاخیوں کی تعداد کم ہو۔ اہل بیت رسولؐ کے نزدیک حجاب کا اندازہ اس بات سے
لگا یا جا سکتا ہے کہ ان کے بچے بھی کسی اور چیز کا سوال نہیں کرتے بلکہ فقط پردہ کے متعلق سوال کرتے ہیں
۔ صحابی رسولؐ حضرت سہیل بن سعد نے بازار میں جب حضرت سکینہؑ سے کہا میں آپ کے نانا کا صحابی ہوں
،کیا میں اس حالت میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔ حضرت سکینہؑ نے فرمایا کہ اس نیزہ بردار کو آگے
بھیج دیں تاکہ لوگ ان سروں کو دیکھنے میں مشغول ہوں اور حرم رسولؐ پر ان کی نگاہ نہ پڑے۔ (حیاء امام
حسین بن علیؑ ج ۳ ص ۳۷۰)

شوق شہادت :

اما مؑ اورا صحابؑ امامؑ شہادت طلبی کے مظہر اور نمونہ تھے خصوصاً اما م حسین علیہ السلام اس میدان
میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ امامؑ جب مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے تو آپؑ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :
”فمن کان باذلاً فینا مہجتہ موطناً علی لقاء اللہ نفسہ فلیرحل معنا“
”جو بھی شہادت کا طالب ہے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ چلے۔“

راہ حق میں موت کو امامؑ زینت قرار دیتے ہیں

”خط الموت علی ولد آدم مخط القلادة علی جید الفتاة“

”موت، بنی آدم کے لئے اس گردن بند کی طرح ہے جو جوان لڑکیوں کے گلے میں ہوتا ہے۔“

(مقتل مطہر)

موت کو وہی شخص زینت قرار دے سکتا ہے جو موت کی حقیقت سے آشنا ہو۔

شب عاشور امامؑ کے اصحاب جس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ مکتب اہل بیتؑ کے ماننے والوں کے
لئے ایک سرمایہ ہے۔ امامؑ کے اصحاب شوق شہادت میں محو تھے اور شہادت کی تمنا کرتے تھے اور فرماتے
تھے کہ تعریف اور حمد ہے اس خدا کی جس نے ہمیں آپؑ کی مدد کرنے کی سعادت بخشی اور آپ کے ساتھ
شہید ہونے کی شرافت عطا کی۔

ایک مقام پر امام حسینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

”انی لاری الموت الا سعادة والحیوة مع الظالمین الا برماً“

”میں موت کو سعادت کے سوا کچھ نہیں سمجھتا اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو ننگ اور عار کے سوا کچھ

نہیں سمجھتا "۔

یعنی امامؑ شہادت کو ایک سعادت سمجھتے ہیں اور اس سعادت کے طالب ہیں۔

اس کے علاوہ ہم جب کربلا کے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں تو اس جذبہ کی ایک اور جھلک نظر آتی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو جیسا کہ بعض ارباب نے نقل بھی کیا ہے کہ حضرت قاسم سے جب امامؑ نے پوچھا کہ کیف الموت عندک

موت آپ کے نزدیک کیسی ہے تو فرمانے لگے :

یا عماہ احلی من العسل

چچا شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔

شہد ایک شیریں چیز ہے جس کی وجہ سے اسے ہر خاص و عام پسند کرتا ہے۔ حضرت قاسم نے موت کو شہد سے تشبیہ دے کر یہ بتا دیا کہ جو شہادت کا جذبہ رکھتا ہے اس کے نزدیک موت شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔
مواسات وایثار :

مواسات یعنی دکھ درد میں ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی کرنا۔ کربلا میں ہمیں اس صفت کی بے نظیر مثالیں ملتی ہیں بلکہ مواسات سے بھی بڑھ کر ایثار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امام حسینؑ نے فقط دوستوں کے ساتھ مواسات کا درس نہیں دیا بلکہ دشمن کے ساتھ بھی مواسات اور ایثار کا عملی مظاہرہ کیا۔ حر کا لشکر جب کربلا پہنچا تھا پیاس کی شدت سے ان کی حالت بری تھی۔ اس گرمی کے زمانے میں جہاں پانی کم جگہوں پر ملتا تھا اور ساتھ میں خواتین اور بچے بھی ہوں، دشمنوں کو پانی پلایا نہ فقط انسانوں کو بلکہ ان کے جانوروں کو بھی سیراب کیا۔

شب عاشور اصحاب امامؑ آپس میں یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ کل ہم پہلے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرینگے اور امامؑ کے عزیزوں پر ہم سے پہلے آنچ آنے نہیں دیں گے۔ اور دوسری طرف خاندان بنی ہاشم کے جوان اکھٹے ہو تے ہیں اور حضرت عباسؑ جو انان بنی ہاشم سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ "اصحاب غیروں میں شمار ہوتے ہیں اور بار سنگین کو خاندان کے افراد کو اٹھانا چاہیے۔ آپ لوگوں کو سب سے پہلے میدان میں جانا چاہیے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اصحاب کو پہلے میدان کی طرف میدان بھیجا گیا۔

حضرت عباسؑ کے اسی کردار کی وجہ سے آپ کو زیارات میں ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے کہ فلنعم الاخ المواسی کس قدر اچھے مواسات کے حامل بھائی ہیں۔

"السلام علیک ایہا العبد الصالح والصدیق المواسی"

اے عبد صالح اور سچے مواسات کرنے والے آپؑ پر سلام ہو۔

تسلیم ورضا :

امامؑ اپنے تمام افعال میں تسلیم ورضا کا درس دیتے ہیں۔ آپؑ سے جب عبداللہ ابن مطیع نے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں اپنا تجربہ بیان کیا تو امامؑ نے فرمایا:

"یقضی اللہ فی ذلک ما یحب"

خدا جس چیز سے محبت کرتا ہے اسے مقدر کرتا ہے۔"

(مقتل الحسین علیہ السلام ج2، ص 162)

شہید مرتضیٰ مطہری فرماتے ہیں کہ

"رضا و تسلیم کی چار اقسام میں سے ایک یہ ہے کہ کام کسی اور کے ہاتھ میں ہو یعنی خدا کے فرمان اور امر

سے ہو۔ شخصی اور خواہش نفس کی پیروی میں نہ ہو۔

امامؑ کے اقوال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ انجام دیتے ہیں وہ رضائے الہی میں انجام دیتے ہیں۔ اگر امام حسین علیہ السلام کا مقصد خدا کی رضا و مرضی کے علاوہ کچھ اور ہوتا تو آپ ہرگز اتنا بڑا اقدام نہ کرتے جس میں آپ کو سب کچھ قربان کرنا پڑے یہ فقط رضا خدا وندی تھی کہ آپ نے پورا کنبہ شہید کروا دیا اعزاء و اقارب، مہمان وغیرہ کی لاشوں پہ صبر کیا اور ایک شیر دل مجاہد کی طرح آخری وقت تک دشمن کو قول و فعل سے نصیحت کرتے رہے وگرنہ خدا کے علاوہ آپ کو اگر حکومت، جائیداد، جاہ طلبی یا شہرت کا زرہ برابر بھی شوق اور چاہت ہوتی تو اس کا حصول آپ کے لیے انتہائی آسان تھے حکومت وقت ہر چیز کے عوض آپ کے ساتھ مذاکرات کرسکتی تھی کیونکہ حکومت کو اگر پوری ملت اسلامیہ میں کسی سے خطرہ تھا تو وہ آپ ہی کی ذات گرامی تھا کیونکہ دین کے حقیقی وارث آپ ہی تھی اور حکومت وقت اس بات سے بخوبی آگاہ تھی کہ ان کے خلاف اگر کوئی مزاحمت کر سکتا ہے تو وہ حسین ابن علیہما السلام ہیں۔

جہاد بالنفس :

کربلا کا معرکہ دشمنوں سے نبرد کا معرکہ تھا۔ اس معرکے میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے نفس سے جہاد کر کے اسے شکست دی جائے جسے رسول اسلامؐ نے جہاد اکبر کا نام دیا ہے۔ جب تک اپنے نفس پر کامیابی حاصل نہیں ہو گی دشمنوں پر فتح و کامرانی حاصل نہیں ہوگی کیونکہ اگر تزکیہ نفس کے بغیر انسان میدان میں اترے تو اسے کسی بھی وقت شکست کا سامنا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کچھ مراحل ایسے آتے ہیں جہاں نفس کو شکست دینے کے ذریعے دشمن پر کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔ معرکہ کربلا میں ہمیں امامؑ اور اصحاب امامؑ کی وہ سیرت ملتی ہے جو جہاد بالنفس کی بہترین مثال ہے۔

حضرت نافع بن ہلال کی منگیتر بھی آپ کے ساتھ میدان کربلا میں موجود تھیں۔ ابھی آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ جب حضرت نافع میدان جنگ کی طرف روانہ ہو رہے تھے آپ کی منگیتر آپ کے دامن کو تھام کر جانے سے روکنے لگتی ہیں۔ یہ واقعہ ایک جوان کو متزلزل کرنے اور جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی تھا۔ امامؑ نے بھی حضرت نافع سے اپنی منگیتر کی خواہش کو میدان جنگ پر ترجیح دے کر کہا، لیکن حضرت نافع نے اس محبت دنیوی اور خواہش نفس پر غلبہ پایا اور فرمایا کہ :

”اے فرزند رسول خداؐ اگر میں آج آپ کی مدد نہ کروں تو کل رسول خداؐ کو کیا جواب دوں گا۔“

”آپ میدان میں گئے اور جنگ کی، یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے۔“

توکل :

امام حسینؑ کے کلمات اور افعال و کردار سے یہ نمایاں اور واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کس قدر خدا پر توکل کرتے تھے۔ آپ نے مدینہ سے جب سفر کا آغاز کیا تو خدا پر ہی توکل کر کے، اور جتنا بھی راستہ طے کیا خدا پر توکل کی وجہ سے طے کیا۔ امامؑ مکہ سے نکلتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

”فمن كان باذلاً فينا مهجته موطناً على لقاء الله نفسه فليرحل معنا فاني راحل مصباحاً ان شاء الله“

جو بھی اپنے خون کو ہماری راہ میں بہانا چاہتا ہے اور خدا سے ملاقات کا مشتاق ہے وہ میرے ساتھ چلے۔ میں کل صبح سفر پر نکل رہا ہوں۔

(موسوعہ امام حسینؑ ج 2)

آپؑ نے کبھی بھی اپنے اصحاب و ساتھیوں پر توکل نہیں کیا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ:

”فمن احب منكم الانصراف فليصرف“

جو واپس جانا چاہتا ہے وہ واپس چلا جائے "

اور شب عاشور چراغ بجھا کر فرمایا کہ

" جو جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے "۔

مدینہ سے نکلتے ہوئے جس نے بھی آپ کو کوئی رائے پیش کی کہ آپ کوفہ کی طرف تشریف نہ لے جائیں بلکہ

حجاز یا کسی اور مقام کی طرف ہجرت کریں تو آپ نے خدا پر توکل کیا اور کوفہ کا سفر اختیار کیا ۔ مدینہ سے

نکلتے ہوئے اپنے بھائی محمد حنفیہ سے فرمایا :

"ما توفیقی الا باللہ علیہ توکل والیہ انیب"

"میری توفیق خدا سے ہے اور میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور وہی میری پناہ گاہ ہے" ۔

وہ تمام خطبات جو روز عاشور آپ نے دئے ان میں یہ جملہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے کہ

"انی توکل علی اللہ ربی وربکم"

"میں خدا پر توکل کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے"۔

دعا کا درس:

تحریک کربلا سے ہمیں جہاں دیگر دروس ملتے ہیں وہاں دعا کا ایک عظیم درس بھی پوشیدہ ہے اگر ہم تحریک

کربلا کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو کسی بھی جگہ پر دعا کو فراموش نہیں کیا جاسکتا حتیٰ امام حسین

علیہ السلام جب مدینہ سے نکلتے ہیں تو بھی دعا مانگتے ہیں اور وقت آکر جب دشمنان دین کے ساتھ جہاس

میں مصروف عمل ہوتے ہیں تو بھی دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے ہیں جس سے دعا کی اہمیت اور قدر قیمت کا

بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ہم یہاں امام حسین علیہ السلام کی دعا کے چند نمونے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد

ان کا مختصر تجزیہ پیش کریں گے۔

مکہ پہنچنے پر آپ کی دعا

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نکلے ، یہاں تک کہ مکہ پہنچے۔ جب دور سے مکہ کے پہاڑوں پر نظر پڑی

تو اس آیہ مجیدہ کی تلاوت فرمائی:

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین آئے تو کہا :

"شاید میرا پروردگار مجھے راہِ راست کی ہدایت فرمائے"۔

پھر جب مکہ پہنچے تو فرمایا:

"پروردگارا! میرے لئے خیر و برکت قرار دے اور میری راہِ راست کی طرف رہنمائی فرما"۔

(منتخب طریحی ۴۲۲)

عاشورا کے آخری لمحات میں آپ کی دعا

پروردگارا! تیری جگہ بلند، تو عظیم الشان قدرت والا، سخت قہر و غضب والا، مخلوقات سے بے نیاز، وسیع قدرت

والا، جس پر چاہتا ہے قدرت رکھتا ہے۔ بہت نزدیک رحمت والا، سچے وعدے والا، زیادہ نعمتوں والا اور اچھی

آزمائش والا ہے۔

جب پکارا جائے تو تو بہت نزدیک ہے۔ اپنی مخلوقات پر محیط ہے۔ جو تیری طرف آئے، تو اس کی توبہ قبول کرتا

ہے۔ اپنے ارادے پر قادر ہے۔ جسے چاہے پالیتا ہے۔ جب تیرا شکر ادا کیا جائے تو شکر قبول کرتا ہے اور جب تجھے

یاد کیا جائے تو یاد آتا ہے۔

تیری طرف نیاز مند ہو کر تجھے پکار رہا ہوں۔ ایک فقیر اور خالی ہاتھ تیری طرف آیا ہوں۔ خوف اور ڈر سے تیری

بارگاہ میں آیا ہوں۔ دکھوں سے تیرے حضور میں گریہ کناں ہوں۔ ضعیف ناتوانی کی صورت میں تجھ سے مدد کا طلبگار ہوں۔ تجھے اپنے لئے کافی سمجھتے ہوئے توکل کرتا ہوں۔

پروردگارا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق سے فیصلہ فرما۔ تحقیق انہوں نے ہمیں فریب دیا، دھوکہ دے کر ہمیں قتل کر رہے ہیں جبکہ ہم تیرے نبی کی بیٹی کی اولاد ہیں کہ جنہیں رسالت جیسے عظیم منصب کیلئے منتخب فرمایا ہے۔

انہیں اپنی وحی پر امین قرار دیا ہے۔ پروردگارا! ہمارے لئے کوئی راہ نکال دے، اے بہترین رحمت کرنے والے۔
درج بالا دعا کے دو نمونے پیش کیے ہیں اس کے علاوہ دیگر بھی کئی ایک جگہوں پر امام عالی مقام علیہ السلام نے دعا کا عملی درس دیا یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ہمیشہ مشکلات میں انسان کا سہارا خداوند عالم کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ پیش ہونا اسی سے ہی لو لگانا ہے کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی اس کائنات میں نہیں جس کو دوام اور قوام ہو جبکہ ہمیشہ دائمی اور قیوم ذات ہی انسان کو کو مشکلات اور زمانے کی ستیزہ کاریوں سے نجات دلا سکتی ہے لہذا نسان کو خوشی ہو یا غم، تنگ دستی ہو یا خوش حالی ہر حال میں اپنے پروردگار کے ساتھ رابطہ استوار رکھنا چاہیے۔
احساس ذمہ داری:

احساس انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیا ہے پس جو انسان بے حسی کا شکار ہو وہ اپنی فطرت سے ہٹ جاتا ہے اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن ان کو ذکر کرنا ہمارا موضوع نہیں اس سے بڑھ کر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کامیابی اور ناکامی کا مرکزی نقطہ ہے اپنی ذمہ داری کو سمجھنے اور اس کو بخوبی نبھانے والا ہی ایک کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیے بغیر ان سے گلو خلاصی کرنا اور سبکدوش ہوجاے کا نتیجہ طرح طرح کی مشکلات سے دو چار ہوجانا ہے۔

جیسا کہ ایک شخص امام صادق علیہ السلام کے پاس آتا ہے اور آ کر سوال کرتا ہے کہ آقا آپ کی زندگی کی بنیاد کتنے اصولوں پر ہے کہ جس کے وجہ سے آپ اتنی کامیاب زندگی گزار لیتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا :
میری زندگی کے چار اصول ہیں ان میں سے جسے پہلا اصول یہ ہے -

عَلِمْتُ أَنَّ عَلِيَّ أَمُورًا لَا يَقُومُ بِأَدَائِهَا غَيْرِي فَاشْتَغَلْتُ بِهَا

کہ مجھ پر چند امور کا انجام دینا ہے کہ جن امور نے میرے غیر سے انجام نہیں پانا اس لیے میں ان کو انجام دینے میں مشغول رہتا ہوں -

(مستدرک الوسائل ج ۱۲ ص ۱۷۲)

اس سے پتہ چلا کہ احساس ذمہ داری کتنی اہم چیز ہے اگر انسان یہ کہے کہ یہ کام میرے ذمہ آگیا ہے اور انجام پا جائے گا تو یہ زبانی دعویٰ کرنا اگرچہ آسان ہے مگر اس کی کما حقہ انجام دہی ایک مشکل امر ہے کیونکہ اس صورت میں انسان کو اپنی ذمہ داری کا حقیقی احساس ہی نہیں ہے۔

اسی طرح تحریک کربلا میں بھی ملتا ہے کہ

جب امام حسین علیہ السلام نے عمرہ کے احکام مکمل کیے اور کربلا کی جانب عازم سفر ہوئے تو اس وقت کافی لوگوں نے آپ کو جانے سے روکا جن میں سے عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس وغیرہ بھی تھے۔ لیکن آپ نہیں رکے اس کی وجہ کیا تھی وہی کہ آپ کی ذمہ داری تھی کہ حرمت کعبہ پامال نہ ہو آپ کا خون بہے تو قاتل بے نقاب ہوں اس مطلب کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک روایت کا نقل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

عبد اللہ بن سلیم اسدی اور مذری بن مشمعل اسدی کا بیان ہے کہ ہم دونوں حج کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے

اور یوم ترویہ وارد مکہ ہوئے۔ وہاں پرہم نے سورج چڑھتے وقت حسین اور عبداللہ بن زبیر کو خانہ کعبہ کے دروازہ اور حجر الاسود کے درمیان کھڑے ہوئے دیکھا ، ہم دونوں ان کے نزدیک آگئے تو عبد اللہ بن زبیر کو حسین سے یہ کہتے ہوئے سنا : اگر آپ یہاں قیام فرمائیں گے تو ہم بھی یہیں سکونت اختیار کریں گے اور یہاں کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیں پھرہم آپ کی پشت پناہی اور مدد کریں گے اور آپ کے مخلص و خیر خواہ ہو کر آپ کی بیعت کر لیں گے ۔

امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا :

”إن أبی حدّثنی :

”ان بھا کبشاً یستحلّ حرمتھا “! فما أحبّ ان أكون أنا ذالک الکبش

”میرے بابا نے مجھ سے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ یہاں ایک مینڈھا (سر برآوردہ شخص) آئے گا جو اس حرم کی حرمت کو پامال کرے گا ، مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ وہ مینڈھا (سر برآوردہ شخص) میں قرارپاؤں ۔“ (سعادت الدارین، موسوعہ امام حسین)

ابن زبیر نے کہا :

فرزند فاطمہ ! آپ ذرا میرے نزدیک آئیے تو امام علیہ السلام نے اپنے کانوں کو اس کے لبوں سے نزدیک کر دیا ۔

اس نے راز کی کچھ باتیں کیں پھر امام حسین ہماری طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا :

”أتدرون ما یقول ابن زبیر ؟“

تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ابن زبیر نے کیا کہا ؟

ہم نے جواب دیا :۔ ہم آپ پر قربان ہوجائیں ! ہمیں نہیں معلوم ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: وہ کہہ رہا تھا کہ آپ اسی حرم میں خانہ خدا کے نزدیک قیام پذیر رہیئے، میں

آپ کے لئے لوگوں کو جمع کر کے آپ کی فرمانبرداری کی دعوت دوں گا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

”واللّٰہ لئن أقتل خارجاً منها بشبر أحبّ الیّ من أن أقتل داخلًا منها بشبر وأیم اللّٰہ لو كنت فی حجرها مة من هذ

ہ الهوام لا ستخرجونی حتی یقفوا فیّ حا جتهم، واللّٰہ لیعتدنّ علیّ کما اعتدت الیہود فی السبت“

خدا کی قسم! اگر میں حرم سے ایک بالشت دور قتل کیا جاؤں تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ

میں حرم کے اندر قتل کردیا جاؤں ، خدا کی قسم! اگر میں حشرات الارض کے سوراخ میں بھی چلا جاؤں تو بھی یہ

لوگ مجھے وہاں سے نکال کر میرے سلسلہ میں اپنی حاجت اور خواہش پوری کر کے ہی دم لیں گے۔ خدا کی

قسم! یہ لوگ اس طرح مجھ پر ظلم و ستم روا رکھیں گے جس طرح روز شنبہ یہودیوں نے ظلم و ستم کیا تھا۔

لہذا آپ نے ذمہ داری سمجھی کہ کربلا کی طرف کوچ کریں۔۔

اس طرح کربلا سے شام تک کے سفر میں جناب زینب اور ام کلثوم نے ہر لمحے دشمن کے مقابلے میں اپنی داری

کو خوب نبھایا

اب اس واقعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اپنے اس عمل سے ذمہ

داریوں کو اچھی طرح نبھانے کا درس دے رہی ہے اب یہاں رک کر اگر ہم اس کا تجزیہ و تحلیل کریں تو چند

سوالات سامنے آتے ہیں۔

کہ اگر امام حسین علیہ السلام مکہ میں رہ جاتے اور کربلا نہ جاتے تو حالات کیا رخ اختیار کرتے؟

کیا امام حسین علیہ کی تحریک اس طرح کامیاب ہوسکتی تھی جیسے کربلا میں شہادت سے کامیاب ہوئی؟

کیا امام حسین علیہ السلام اس ہدف کو مکہ رہ کر حاصل کرسکتے تھے جس طرح کے اہداف کے حصول کے لیے

حالات نے رخ دھار لیا تھا اور کربلا میں ان کو حاصل کیا؟

ان سارے سوالات کے جوابات ہمیں اس وقت مل سکتے ہیں جب ہم اس بات کو جان لیں کہ امام عالیمقام کی اب ذمہ داری تھی کہ وہ احرام اتار کر مکہ کو خیر آباد کہیں۔ مکہ کی حرمت کو باقی رکھنے کے لیے حج کو ترک کر دیں، بیت اللہ جیسی محبوب جگہ کو چھوڑ دیں، کعبہ کی حرمت کو پامال ہونے سے بچائیں۔

اور سب سے اہم چیز یہ کہ ایک امام کی ذمہ داری ہے کہ اپنی امت کو نجات دلائے انہیں ہدایت کرے تو امام عالیمقام نے شاید مکہ سے خروج اس لیے کیا کہ کعبہ کی حرمت کے ساتھ ساتھ ممکن ہے ان لوگوں کو غور فکر کا ایک موقع دیا جائے تاکہ یہ سوچ بچار کر لیں اور حق کی طرف واپس آجائیں ظالم حکمران کی بیعت کا قلابہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔

امام علیہ السلام نے دین کا بچانا اپنی ذمہ داری سمجھا اور اس کا احساس کیا اور اس کو بہت ہی احسن طریقے سے انجام بھی دیا

جب امام حسین علیہ السلام پر دین خدا کو بچانے کی ذمہ داری عائد ہوئی تو آپ نے اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ میرے مہمان شہید ہو رہے ہیں، میرے بھائیوں کے لاشے گر رہے ہیں، بچوں کو ظلم و ستم کے ساتھ تیغ و سناں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، ہماری خواتین کو قیدی بنا کر بازاروں میں پھرایا جائے گا، سارا کنبہ قتل ہو جائے گا لیکن ان تمام کاموں سے دین خدا بچ جائے گا تو امام حسین علیہ السلام اب امام نے یہ ذمہ داری ایسے نبھائی کہ دنیا آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اس حوالے سے خاندان عصمت و طہارت کی بیبیوں کے کردار کا اگر مطالعہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن مشکل اور کٹھن حالات میں انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا یقیناً یہ کسی غیر معمولی انسان کا کاتھا۔ جب کوفہ و شام کئے بازار سے میں آپ کو لایا گیا وہاں پر آپ نے اپنے پردے کا کس قدر خیال رکھا کہ تاریخ میں ہے۔

قد لبثت اردل ثيابها

ایک کم قیمت لباس آپ نے زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ شاید اس لباس کو پہننے کی وجہ یہی ہوگی کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے اسی لیے تو دربار کوفہ میں ابن زیاد کو پوچھنا پڑا

من هذه المتناهیة

یہ مجھ سے نفرت کرنے والی کون ہے؟

تو اس کا جواب ایک کنیز نے دیا گویا آپ نے اپنی ایک عام سی خاتون والی حالت بنائی ہوئی تھی تاکہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے اور نہ ہی آپ کی جانب متوجہ ہو سکے۔

مگر جب دربار کوفہ اور بازار کوفہ و شام میں خطبات کا مرحلہ آتا ہے تو یہی بی بی اس انداز سے خطبہ دیتی ہیں کہ

دربار میں موجود نابینا شخص یہ پوچھنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ لب و لہجہ علی ابن ابی طالب کا ہے کیا یہ خطبہ دینے والا علی کا کوئی فرزند ہے۔ اور اپنے ان خطبات سے ایوان سلاطین کی جڑوں کو اس طرح کھوکھلا کرتی ہیں کہ کسی ظالم کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ گھروں میں جب یہی لوگ جاتے تو ان کی عورتوں انہیں دشنام طرازی کرتی یہ تھی وہ ذمہ داری کہ لوگوں کے دلوں میں امام حسین علیہ السلام کی حق و حقانیت جاگزیں کردی۔

استقامت:

تحریک کربلا سے ہمیں استقامت کا پیام ملتا ہے جو دنیوی و اخروی کامیابی کا اہم عنصر ہے انسان کو اپنے ایمان میں پامرد ہونا چاہیے شدید مشکلات اور آزمائش کے باوجود اپنے عقیدے کو خالص رکھنا اور اس میں کسی قسم کے تزلزل کا شکار نہ ہونا ہی حقیقی استقامت ہے۔ اسی طرح ایمان کے ساتھ عمل میں بھی استقامت شرط ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ الَّذِي نَقَالُو رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَنْزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا يَسْرِوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ

جو کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہتے ہیں ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) نہ خوف کرو نہ غم کرو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔

آیہ مجیدہ میں انسان کے ایمان کے ساتھ عمل میں پختگی کو بھی ذکر کیا گیا ہے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ جس کا ایمان جس قدر مضبوط ہوگا اس کے عمل میں بھی اس قدر استقامت ہو گی وہ پھر اپنے راستے میں آنے والی تمام مشکلات اور روکاوٹوں سے نبر آزما ہونے کے لیے تیار رہے حتیٰ کہ اگر اس کو بھوک، پیاس برداشت کرنی پڑے یا اپنی زندگی کی قربانی دینی پڑ جائے تو اس سے ہرگز دریغ نہیں کرے گا۔ کربلا میں مرد تو کیا خواتین نے بھی استقامت کا عملی نمونہ پیش کیا ۔

کوفہ میں جناب ام کلثوم نے اپنے خاندان کی حقیقت کو کوفے والوں کے سامنے روشن کرنے کے لیے جبکہ اہل کوفہ صدقے کے خرمے پھینک رہے تھے اور چھوٹے بچے انہیں منہ میں رکھ رہے تھے تو بچوں سے وہ خرمے لے کر آپ نے پھینک دیے اور اہل کوفہ سے فرمایا اے اہل کوفہ ہمیں صدقے کے خرمے نہ دو اس لیے کہ صدقہ ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام ہے۔

اس روایت کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے کہ ایک ایسی خاتون جو اپنی زندگی کے پچاس برس سے زیادہ گزار چکی ہے جو اپنے نانا، ماں، باپ اور بھائی کا صدمہ دیکھ چکی ہے تین دن قبل لق و دق صحرا میں جس کے کنبے کو پیاسا شہید کر دیا گیا اور پیاروں کی لاشیں بے گور کفن چھوڑ کر بازار کے ہجوم بے چادر پھرائی جارہی ہے مگر اس کے عمل میں اس قدر پامردی اور استقامت ہے کہ جب وہ اپنے بھوکے یتیموں کے ہاتھ میں بھی خرمے کے چند دانے دیکھتی ہے تو ان سے چھین کر اہل کوفہ کو واپس کردیتی ہے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے ہم بھوک برداشت کر سکتے ہیں شہادت قبول ہے لیکن اپنے مقصد میں کوئی کوتاہی نہیں کرسکتی حتیٰ کہ یہی مخدرات عصمت و طہارت جب اپنے بھائی ، بیٹوں اور اولاد کی قربانی دے کر بھی کوفہ شام میں جب خطبے دیتی ہیں تو لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں یہ سب اس ایمان کامل کا نتیجہ تھا ظالم و جابر کے دربار میں کلمہ حق کہنے سے نہ رک سکیں۔